محمد خلف اللہ

اسلام میں آزادی مذہب

یہ مقالہ اسلام میں آزادی کے دو پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے۔ اول یہ کہ ایک مسلمان کو یہ آزادی حاصل ہو کہ وہ اپنے مذہب کے بارے میں غور و فکر کر سکے، اور مذہبی احکام و تصورات کو سمجھ سکے اور اس سلسلے میں سماج یا حکومت کی طرف سے کوئی مداخلت نہ کی جائے اور نہ اس کے مذہبی خیالات کی بناء پر اسے ذاتی، مالی یا منصبی قسم کا کوئی خطرہ ہی درپیش ہو۔ دوسری چیز اسلامی سماج میں بسنے والے غیر مسلموں کی آزادی ہے، تاکہ وہ اپنے مذہب کے مطابق اپنی زندگی بسر کر سکیں، اور عبادت کی رسوم ادا کر سکیں اور اپنی مذہبی ہدایات کے مطابق امور زندگی کی تنظیم کر سکیں، اور اس سلسلے میں نہ تو اُن کے معاملات میں کوئی مداخلت کی جائے اور نہ اُن کے مفادات اور عبادت کے مقامات ہی کو کوئی نقصان پہنچے۔

سوال یہ ہے کہ آزادی کے ان دو پہلوؤں کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر کیا تھا؟ اور اس نے صدیوں تک کیسے ارتقاء کی منازل طے کیں؟ کیا تاریخ کے کسی عہد میں یہ بھی ہوا کہ اسلام نے آزادی کے ان دونوں پہلوؤں پر پابندی عائد کی ہو یا اُن میں سے کسی ایک پہلو کو دبایا ہو، یا اُن کے بارے میں دشمنی اور تشدد کا نقطۂ نظر اختیار کیا ہو؟

اسلام بنیادی طور پر دہریت اور بت پرستی کے خلاف ایک بغاوت تھا۔ اس نے خدا کی وحدت پر اصرار کیا اور تمام الہامی مذاہب کی سچائی پر زور دیا۔ دوسرے الہامی مذاہب کے پیروکاروں کے بارے میں یہ چیز اسلامی نقطۂ نظر میں بنیادی شے کی حیثیت رکھتی ہے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے:

> آپ کہہ دیجیے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور جو کچھ ہم پر اتارا گیا ہے اور جو کچھ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور یعقوبؑ اور ان کی اولاد پر اتارا گیا اور جو کچھ موسیٰؑ و عیسیٰؑ اور دوسرے انبیاء کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا، ان سب پر ایمان لائے۔ ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ تعالیٰ کے فرمان بردار ہیں (آل عمران: ۸۴)۔

آیے! ہم تاریخ پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالیں اور یہ دیکھیں کہ اس اصول کو عمل میں کیسے لایا گیا۔

کفار مکہ کے ہاتھوں اذیتیں اٹھانے اور مصائب جھیلنے کے بعد مدینہ منورہ میں اہل ایمان کی ایک جماعت کی تنظیم کی گئی۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ پہنچ کر جو اقدامات کیے، ان میں سے ایک اولین اقدام یہ کیا کہ مدینے کے تین بڑے فرقوں یعنی مہاجرین مکہ، انصار مدینہ اور یہودیوں کے درمیان ایک سمجھوتہ طے کرایا۔ ہمارے نقطۂ نظر سے یہ بات اہم ہے کہ اس حقیقت کو نمایاں کیا جائے کہ اسلام کے اس پہلے سیاسی معاہدے میں غیر مسلموں کی مذہبی آزادی کا صاف طور پر اور تاکیدی بیان تھا۔ اس کے بعد تاریخ اسلام جس میں فتوحات بھی ہیں، جنگیں اور صلح نامے بھی ہیں، معاہدے اور سمجھوتے بھی ہیں اور بادشاہوں اور سلطنتوں کا قیام بھی ہے، اس بات کا اظہار کرتی ہے کہ اسلام نے غیر مسلم شہریوں کی مذہبی آزادی کے بارے میں اس بنیادی پالیسی کو کیوں کر نبھایا ہے۔ اس پالیسی کا بیان قرآن مجید کی اس آیت میں ملتا ہے:

> آپ کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب! ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں برابر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں، نہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو ہی رب بنائیں۔ پس اگر وہ منہ پھیر لیں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں (آل عمران: ۶۴)۔

پیغمبر اسلام نے اپنے ہمسایہ حکمرانوں اور سرداروں کو جو مراسلتیں بھجوائیں، ان میں سے اکثر میں اس آیت کو کلیدی اہمیت دی گئی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان ہمدردی اور دوستی کے جذبات پیدا ہو گئے، اور یہ چیز قرآن مجید کی بکثرت حوالے میں آنے والی آیت میں بھی محفوظ ہے، اور بہت سے تاریخی واقعات کے طور پر بھی۔ آیتِ قرآنی کا ارشاد ہے:

> اور ایمان والوں سے سب سے زیادہ دوستی کے قریب آپ یقیناً انہیں پائیں گے جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں، یہ اس لیے کہ ان میں علماء اور عبادت کے لیے گوشہ نشین افراد پائے جاتے ہیں اور اس وجہ سے کہ وہ تکبر نہیں کرتے۔ اور جب وہ رسول کی طرف نازل کردہ (کلام) کو سنتے ہیں تو آپ ان کی آنکھیں آنسو سے بہتی ہوئی دیکھتے ہیں اس سبب سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا، وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے۔ پس تو ہم کو بھی ان لوگوں کے ساتھ لکھ لے جو تصدیق کرتے ہیں (المائدہ: ۸۲-۸۳)۔

۱ — [illegible] دسمبر ۱۹۹۸ء

جہاں تک تاریخی واقعات کا تعلق ہے، میں دو مثالوں کا حوالہ دینا چاہتا ہوں۔ اول یہ کہ حبشہ کے حکمران نجاشی نے مکے کے پہلے مسلمان مہاجروں کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا، انہیں پناہ دی اور اُن کے ساتھ بڑی مروت سے پیش آیا۔ دوم یہ کہ جب نجرانی عیسائیوں کا ایک وفد مدینے میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اُنھوں نے مسجد میں اس کا استقبال کیا اور اُس مسجد ہی میں اُس وفد نے اپنی عبادت کی رسوم ادا کیں۔

جب اسلام پھیلا اور بازنطین اور ایران کی سرحدوں میں اس کا اثر چھا گیا تو مفتوحہ لوگوں کے بارے میں اسلامی حکمت عملی واضح کر دی گئی، یعنی اگر مفتوحہ لوگ ایمان لے آئیں تو اُن کے حقوق و فرائض بالکل وہی ہوں گے جو دوسرے مسلمانوں کے ہوں گے اور اگر وہ اپنے مذہب پر قائم رہنا چاہیں تو اس کی بھی انہیں مکمل آزادی ہو گی، بشرطیکہ وہ ایک طرح کا دفاعی ٹیکس ادا کریں، جو سلطنت کی تنظیم اور اس کو برقرار رکھنے میں مدد دے، لیکن اگر وہ ان دونوں متبادل شرائط میں سے کسی ایک کو بھی منتخب نہ کریں تو ذمیوں کو ریاست کا دشمن سمجھا جائے گا۔ اسلام کے پھیلنے اور فتوحات کے دوران میں اس پالیسی پر مستقل مزاجی سے سرکاری طور پر عمل ہوتا رہا۔ اس سلسلے میں حضرت عمرؓ نے ساتویں صدی عیسوی میں جو دستاویز لکھی، وہ بے حد تاریخی اہمیت رکھتی ہے۔ اس دستاویز کے ذریعے یروشلم کے لوگوں سے امن و سلامتی کا معاہدہ کیا گیا۔ اس دستاویز کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

> اللہ کے نام پر جو غفور الرحیم ہے۔ یہ وہ معاہدۂ حفاظت ہے جسے اللہ کا بندہ عمر اہل ایمان کے کمانڈر کی حیثیت سے یروشلم کے لوگوں کے ساتھ طے کرتا ہے۔ عمر اُن لوگوں کو اُن کی جان، مال، معبدوں، صلیبوں، مریضوں اور صحت مندوں، عورتوں بچوں سب کی حفاظت کی ضمانت دیتا ہے، اور یہ کہ اُن کے معبدوں پر نہ تو قبضہ کیا جائے گا اور نہ انہیں منہدم ہی کیا جائے گا، اور نہ اُن کی کوئی زمین ہی اُن سے چھینی جائے گی، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے احکام کی رُو سے ہے، اُس کے پیغمبر کے فرمان کی رُو سے ہے، اور پیشرو خلیفہ کے ارشادات کے مطابق ہے، بشرطیکہ یروشلم کے لوگ ٹیکس ادا کرتے رہیں۔

جب عربوں نے مصر فتح کیا تو اُنھوں نے مصری عیسائیوں اور بازنطینیوں کے اختلافات کو رفع کیا اور عبادت اور مذہبی فکر کی آزادی سب کے لیے برقرار رکھی۔ اُنھوں نے بطریقی سربراہوں کو فرقہ وارانہ امور کے انتظامات سونپ دیے، اور بازنطینی وائسرائے کے دوران حکومت میں جو گرجے منہدم ہوئے تھے، اُنہیں واپس کر دیا۔

یہی طرزِ عمل ہسپانیہ میں اختیار کیا گیا، جہاں کے تمام مفتوح شہریوں کو مکمل آزادی حاصل تھی۔ اس چیز کو واضح ثبوتوں کے ساتھ زمانہ حال کے ایک عیسائی مصنف ایڈم میٹس نے اپنی تصنیف "چوتھی صدی ہجری میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ" میں بیان کیا ہے۔ اسی طرح سٹینلے لین پول نے "ہسپانیہ میں عرب اقتدار کی داستان" اور سر تھامس آرنلڈ نے "دعوتِ اسلام" میں ثابت کیا ہے۔

ایڈم میٹس قرونِ وسطیٰ کی اسلامی تہذیب کے ایک خاص وصف کی طرف توجہ مبذول کراتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ اسلام کے پیروکاروں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی صفوں میں دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کی ایک بڑی تعداد ملتی ہے۔ یہ صورتِ حال جو ہم آہنگی اور رفیقانہ تعاون کی مقتضی تھی، اس رواداری کا نتیجہ تھی جو اسلام میں ابتداء ہی سے پائی جاتی ہے، اور جس سے اس عہد کا یورپ بے خبر تھا۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ اسلام میں مذاہب کے تقابلی مطالعے اور علم کا ارتقاء ہوا اور عالموں کی ایک بہت بڑی تعداد اس طرف کھنچ آئی۔ اسلامی قوانین حکومت میں غیر مسلموں پر کاروبار یا کام میں حصہ لینے کے سلسلے میں کبھی کوئی پابندی عائد نہیں ہوئی، چنانچہ بعض ترقی پذیر اسلامی مملکتوں میں غیر مسلموں کی بہت بڑی بڑی جائدادیں تھیں، اور بعض خاصے منافع بخش پیشوں اور کاروبار پر ان کا قبضہ تھا، جن میں روپے کا لین دین اور طبابت خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اسلامی حکمرانوں نے شاذ ہی غیر مسلم رعایا کے معاملے میں مداخلت کی، بلکہ اس کے برعکس ان کے میلوں، تہواروں اور رسوم میں حصہ لیا کرتے تھے۔

اسلام میں مذہبی آزادی کے تاریخی ارتقاء کا غیر جانبدارانہ جائزہ لینے کے لیے اتفاقی یا حادثاتی نوعیت کی ان کوتاہیوں کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے جو تاریخ میں ہمیں ملتی ہیں۔ بعید نہیں کہ وقتاً فوقتاً کسی ایک یا دوسرے مسلمان ملک میں بدامنی رونما ہوئی ہو، اور عوام کے جذباتی ہجوم یا غلط حکمران یا کسی جلدباز فاتح نے غیر مسلم فرقے کے ساتھ ناروا سلوک اختیار کیا ہو، یا ان کی ملکیت اور عبادت گاہوں کے تقدس کا احترام نہ کیا ہو۔ یہ اور اس قسم کے واقعات اس نوع کے ہیں جو جنگ کے نتیجے میں یا معاشرتی و سیاسی انتشار یا مذہبی جنون کی کسی لہر کے باعث وجود میں آئے، لیکن یہ چیز مذہب نہیں ہے اور نہ اسے مذہبی آزادی کی نفی ہی قرار دینا چاہیے۔ یہ تو مستثنیات ہیں، قوانین نہیں۔ مغرب کی مذہبی تاریخ بھی اس قسم کے واقعات سے مستثنیٰ نہیں ہے، بلکہ اس میں تو رسوائی کے کچھ نمایاں انداز ہی نظر آتے ہیں۔

اگر ہم عہدِ حاضر کو سامنے رکھیں تو مکمل مذہبی آزادی کا ایک مثالی ملک مصر دکھائی دیتا ہے۔ جو تاریخی طور پر اور تہذیبی و ثقافتی طور پر اسلامی ملک ہے۔ اس ملک کی غیر مسلم اکثریت دنیا کی

خوشحال ترین اقلیتوں میں سے ہے۔ یہ لوگ پورے تحفظ اور آزادی کے ساتھ اپنی مذہبی زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہ اسلامی مساجد کے پہلو بہ پہلو اپنے گرجے اور معبد تعمیر کرتے ہیں۔ اپنے مسلمان بھائیوں کے مذہبی اور قومی تہواروں میں اسی طرح شریک ہوتے ہیں جس طرح مسلمان اُن کے ساتھ۔ وہ مادرِ وطن کی عظمت کی خاطر مشترکہ مساعی اور جدوجہد سے کام لیتے ہیں اور حکومت کے فرائض اور خدمات میں شریک ہوتے ہیں۔---

اسلام نے ابتداء ہی سے فرد کی آزادی اور غلامی کی زنجیروں سے اُس کی رہائی اور انسانی وقار پر اصرار کیا۔ اسلام نے بہتر انسانی زندگی کے طرزِ عمل کے لیے بعض بہت وسیع اصول سامنے رکھے اور مسلمان عوام کو بدلتے ہوئے عہد اور حالات کے مطابق آزادانہ طور پر اپنے سماجی اور سیاسی نظاموں کو ترقی دینے کی اجازت دی۔ اسلام نے مسلمانوں کو کائنات کے بارے میں غور و فکر کی تحریک دی اور علم کے حصول کے لیے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا سبق دیا۔ قرآن مجید میں بکثرت ایسی آیات ملتی ہیں جن میں غور و فکر کرنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے، اور خالص اور تجربی استدلال کو استعمال میں لانے کا تقاضا کیا جاتا ہے۔

تاریخ کے ابتدائی ایام میں مسلمانوں نے اپنی اس آزادی کا قرآن مجید کی تفسیروں اور احادیث کی تشریح کے لیے اور فقہ کے اصولوں کا روزمرہ کے امور پر اطلاق کرنے کے لیے استعمال کیا۔ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں مختلف اور متصادم دبستانِ فکر ہمیں اُبھرتے ہوئے ملتے ہیں، بالخصوص علم کلام میں۔ اور ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حکومت کبھی تو ایک دبستان کی حمایت کرتی ہے اور کبھی دوسرے کی۔ حکومت کا اس طرح کا طرزِ عمل بعض اوقات عالمانہ تحقیق و تفحص کی آزادی پر اثرانداز ہوتا تھا۔ تیسری صدی ہجری میں حکومت کی مخالفت کی بناء پر جو معتزلہ کے نظریات کی حامی تھی، امام احمد ابن حنبل کو صعوبتیں اور مصائب برداشت کرنا پڑے۔

بعض اوقات حکومت کا تشدد کسی صوفی کو نشانہ بناتا تھا، جیسا کہ دسویں صدی ہجری میں حلاج کا واقعہ، لیکن کہا جاتا ہے کہ اس کی وجوہات صرف مذہبی نہیں تھیں، بلکہ بہت سی تھیں جن میں سیاسی وجوہات بھی شامل ہیں۔

مذہبی قیود کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ کسی مفکر یا عالم پر دہریت اور الحاد وغیرہ کا الزام عائد کر دیا جاتا، مگر یہ رجحان اسلامی تاریخ کے دورِ انحطاط میں پیدا ہوا، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ سماجی اور ذہنی ترقی، مذہبی افکار اور نقطہ ہائے نگاہ میں رواداری اور آزادروی کا باعث بنتی ہے۔

اسلام کی ثقافتی تاریخ نے انسانی علم کے اضافے میں جو گراں قدر حصہ لیا ہے، اس سے یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام نے مذہبی معاملات میں آزادی کی علمبرداری بھی کی، اس کو برقرار بھی

رکھااور اس کی حوصلہ افزائی بھی کی۔ قدامت پرستی اور جدّت پسندی، فلسفے اور تصوف، مقامی اور غیر ملکی کلچر —— سب کو اسلام کی آغوش میں جگہ ملی۔ انسانی علم کا کوئی ایسا میدان نہیں ہے جس میں اسلام نے استدلال یا ذہنی سرگرمیوں پر کوئی پابندی عائد کی ہو۔ اسلام میں مذہب اور سائنس کا اختلاف کوئی اہم مسئلہ نہیں ہے۔

عقائد کی آزادی کے بارے میں اسلام کا یہ لبرل نقطۂ نظر اور فکر اسلام کے الٰہیاتی آئین کے بنیادی امور میں سے ہے جن کے ذریعے سے ساتویں صدی ہجری ہی میں انسانی حقوق کو تسلیم کر لیا گیا اور انہیں اسلامی دستورِ حیات اور اسلام کے پیغام کا ایک جزو سمجھا جانے لگا تھا۔

انسانی ترقی کے موجودہ دور میں یہ وہ حقیقت ہے جو انتہائی اہمیت رکھتی ہے۔ اگر مسلمان اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیں تو ان میں خود اعتمادی عود کر آئے گی، اور وہ امنِ عالم کو برقرار رکھنے اور انسانی خوشحالی کے اضافے میں موثر حصہ لے سکیں گے، اور اگر مغرب کے لوگ اس حقیقت کو دیانت داری سے مان لیں تو انہیں پتہ چلے گا کہ مشرق کے روحانی ورثے میں اسلام نے کتنا گراں قدر اضافہ کیا ہے اور وہ انسانی جدوجہد کے ہر شعبے میں مشرقیوں کے ساتھ تعاون سے کام لیں گے۔